معرکۂ اسلام و جاہلیت

بَدَءَ الاِسلَامُ غَرِیبًا وَسَیَعُودُ غَرِیبًا

(۵)

(از جناب مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی)

ہم مضمون کی ابتدا میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ معقول خالص یعنی اسلام کا سرچشمہ انسان کی وہ سلیم اور بے آمیز فطرت ہے جو اسے حیوانی پستیوں سے اٹھانا اور خلافت الٰہی کی بلندیوں تک لے جانا چاہتی ہے، اور یہی وہ جوہر ہے جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل جاہلیت کا سرچشمہ نفس حیوانی ہے جو اس امتیاز کو فراموش کر دینا اور انسانیت و حیوانیت کے حدود کو محو کر دینا چاہتا ہے۔ جاہلیتِ اولیٰ کا جو حال ظہورِ اسلام کے وقت تھا اس کی اجمالی داستان آپ پڑھ چکے ہیں، جس میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس جاہلیت میں باوجود جاہلیت ہونے کے کچھ نہ کچھ حیا ضرور تھی۔ اس نے کم از کم انسان کا نام تو انسان باقی رکھ چھوڑا تھا۔ مگر آفریں ہو آج کی "مہذب" جاہلیت پر اور مبارک ہو اس کی شانِ فاتحیت اور اس کی دیدہ دلیری کی جرأت، کہ اس نے اس پردۂ حیا کو بھی اپنے چہرے سے نوچ پھینکا اور ڈارون کی ہمت ——— جو اس جاہلیتِ کبریٰ کی قائد بن کر سطحِ ارض کے چپہ چپہ پر پھیلی ہوئی ہے ——— امتیازِ انسانیت کے اس ننگ کو گوارا کرنے سے علی الاعلان انکار کر دیا۔ اب وہ اپنے آپ کو حیوان کہنے اور کہلانے پر مصر ہے۔ انسانیت کو ایک لفظ بے معنی، اخلاق کو معدہ کا تابع اور عقل و دماغ کو خواہشاتِ نفس

کا چاکر قرار دے رہی ہے، اور ایک طرف اپنے اس نظریہ کا زبان سے اقرار کر رہی ہے تو دوسری طرف اپنے نظامِ تہذیب اور دستورِ حیات کی اساس اسی نظریہ کو قرار دے چکی ہے۔ پھر بتاؤ اسلام کی اُن فطری تعلیمات اور عقلی نظریات سے اس تہذیب دنیا کو کیا انس اور لگاؤ ہو سکتا ہے جن کی تہ میں سارے عناصر موجود ہیں لیکن حیوانیت اور نفسانیت کا کوئی عنصر نہیں؟ آخر دونوں کا یہ فطری بعد المشرقین، یہ اختلافِ مقاصد، یہ تضادِ افکار اور یہ تباینِ مزاجی کیوں کر ایک کو دوسری سے قریب ہونے دے گا؟ دو مختلف سمتوں کے مسافر کے قدم ایک دوسری کا ساتھ دے سکیں گے؟ اسلامی تصورات و نظریات اس تہذیب کے دماغ میں کس طرف سے گھس سکیں گے؟

جاہلیتِ قدیمہ خدا کی منکر نہ تھی۔ صرف خدائی کی وحدت اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ الوہیت کو بشریت کی میزان میں تول کر قیاس کرتی تھی کہ ایک اکیلا خدا اتنے بڑے نظامِ کائنات کو کیسے چلا سکتا ہے۔ اس لئے وہ الوہیت کو بہت سے شرکاء اور مددگاروں میں تقسیم کر دیتی تھی۔ تاہم اس نے الوہیت کو حکمت، علم، قدرت اور ارادہ سے منفک نہ کیا تھا۔ مگر اس نئی جاہلیت کو دیکھو۔ یہ سرے سے ایک حکیم و دانا فاعلِ مختار ہی کی ضرورت اس نظامِ کائنات کے لئے تسلیم نہیں کرتی۔ اس کو جس عقلیت (Rationalism. Blind) پر ناز ہے، وہ کائنات کا انتظام ایک ایسی اندھی فطرت (nature.) ایک ایسی جاہل طبیعت کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتی ہے جو نہ علم رکھتی ہے، نہ ارادہ، نہ کچھ سوچتی ہے، نہ دیکھتی ہے، نہ سنتی ہے۔ اس کے سامنے اگر آپ کہیں کہ گراموفون خود بخود بن گیا، یا اس کو ایک ایسی طاقت نے بنا دیا جو اندھی، بہری، بے عقل اور بے علم تھی تو وہ آپ پر ہنسے گی اور کہے گی کہ کیا جاہلوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ مگر خود وہ بے تکلف حکم لگاتی ہے کہ یہ عظیم الشان کارخانۂ عالم کسی صانع علیم و حکیم کے بغیر وجود میں آیا ہے اور اس کے بغیر چل رہا ہے، مادّے میں زندگی خود بخود ایک طبعی عمل سے پیدا ہو جاتی ہے، زندہ مادّے سے یہ بے شمار انواع نت نئے ڈیزائن پر خود بخود ایک طبعی ارتقاء کے ساتھ

بنتی چلی جاتی ہیں، انسان جیسی حیرت انگیز مخلوق کو محض تنازع للبقا (Struggle for existence.) اور انتخاب طبیعی (Natural Selection.) اور بقائے اصلح (Survival of the fittest.) نے کیڑے سے انسان بنا دیا، حتیٰ کہ اس میں عقل ایک بے عقل طاقت نے پیدا کر دی، اس میں شعور ایک بے شعور قانون کے زور سے آگیا، اور اس میں محبت ایک ایسے منبع سے آگئی جہاں خود محبت موجود نہیں۔ ایسی ہولناک جہالت کی باتیں وہ کسی شرم کے بغیر کہتی ہے اور کسی شرم کے بغیر اُن کو سائنس اور حکمت اور عقلیت کے نام سے کتابوں میں لکھتی اور یونیورسٹیوں میں پڑھاتی ہے۔

پھر جہل مرکب ملاحظہ ہو کہ اس کو ہنسی اپنی جہالت اور بے عقلی کی باتوں پر نہیں، بلکہ اُس کی باتوں پر آتی ہے جو اسے حقیقت کا علم دینا چاہتا ہے، اور کائنات کے عقلی مطالعہ کا پہلا اور بنیادی سبق دیتا ہے۔ قرآن خدا کے وجود پر فطرت و وجدان کی شہادت پیش کرتا ہے تو وہ اسے وہم پرستی، جہالت، تنگ نظری بتاتی ہے۔ قرآن آفاق کائنات کے کھلے ہوئے آثار و بینات میں وجود باری کی جھلک دکھاتا ہے تو وہ منہ پھیر لیتی ہے اور خدا کے ہر معجزے کی "سائنٹفک توجیہیں" کرنے لگتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جب تم اینٹوں اور پتھروں کی ایک چھوٹی سی عمارت دیکھ کر یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اس کا کوئی معمار نہیں اور نہ کسی مقصد سے یہ بنائی گئی ہے، تو کائنات کی اس وسیع عمارت کا جس کی وسعت تمھاری نگاہ و وہم سے بھی پرے ہے، اور جو ایک خاص شکل و وضع، مقصد اور حکمت کے ماتحت بنی ہے، کوئی معمار —— دانا اور حکیم معمار —— کیوں نہیں مانتے؟ وہ جواب دیتی ہے کہ بے شک عمارت تو ایک دانا و بینا معمار کے بغیر نہیں بن سکتی، مگر اس کائنات کے متعلق ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ وہ اتفاقاً وجود میں آگئی ہے اور اس کے قوانین ایک قانون بنانے والے کے بغیر خود بن گئے ہیں، اور ایک نافذ کرنے والے کے بغیر خود نافذ ہو رہے ہیں، کیونکہ اگر ہم یہ نہ مانیں تو خدا کو ماننا لازم آئے گا، اور خدا

ہی کو ہم نہیں ماننا چاہتے! قرآن اس عالم اور اس کی ایک ایک چیز میں چھپی ہوئی بے شمار حکمتوں کی طرف رہنمائی کرکے پوچھتا ہے کہ بتاؤ کائنات کے مختلف اجزاء میں یہ توافق (Harmony) کہاں سے آیا؟ اس پوری مشین کے پرزے کیونکر فٹ ہو گئے؟ اگر یہ زمین و آسمان، یہ چاند سورج، یہ بیشمار سیارے اور لاتعداد کرے بغیر کسی حکمت کے خود پیدا ہو گئے تو ان کا یہ توازن اور یہ ٹھیک ٹھیک اندازہ کیسے قائم ہو گیا؟ زمین کے دامن میں یہ صلاحیت کیوں کر پیدا ہوئی کہ وہ تمہارے چلنے، پھرنے، رہنے، سہنے کی ضرورتوں کے سامنے جھکی رہے؟ مٹی کے اندر یہ استعداد کہاں سے آئی کہ آسمان کی دی ہوئی بارش کو قبول کرکے بیج کو روئیدگی بخشے؟ پانی کے مزاج میں بھاپ بن کر ہوا کے کندھوں پر اڑنے اور پھر زمین پر برسنے کی قابلیت کس طرح پیدا ہوئی؟ کیا اجزائے کائنات میں اس تاثیر و تاثر کی موجودگی، ذراتِ مادہ کا یہ باہمی تعاون، ہزاروں کروں کا یہ باہمی توافق اپنے پسِ پشت کوئی حکیم اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہستی نہیں رکھتا؟ وار اور پھر قرآنی استدلال کا وار سخت سہی لیکن جاہلیت فوراً "اتفاقات" اور "مادہ کے طبعی خواص" کی سپر سامنے کر دیتی ہے اور جب اس سے بھی کام نہیں چلتا تو جھنجھلا کر وہی بات کہتی ہے جو چار ہزار برس پہلے کا جاہل انسان کہتا تھا کہ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً "ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ خدا کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں" یعنی وہی قدامت پرستی، وہی دقیانوسیت، وہی بوسیدہ خیالی جس پر جدید زمانہ کا انسان روزانہ ہزاروں مرتبہ تبرّے بھیجتا ہے! بات کو فلسفیانہ آب و رنگ دے کر ایک نئے سانچے میں ڈھال لیا تو کیا ہوا۔ جامہ پوشی کا ڈھنگ چاہے کچھ ہو، "اندازِ قد" تو وہی ہے۔ پہچاننے کے لئے محض شناسا نظر کی ضرورت ہے۔ ربانی عظمت و کبریائی کے بلند تخیل سے جس طرح اگلوں کا جہالت زدہ دماغ قاصر رہا اور جس طرح ایمان لانے کے لئے دقیانوسی دور میں اس بے پایاں حقیقت کے محسوس اور مرئی ہونے کی شرط لگائی گئی، ٹھیک اسی طرح آج بھی مطالبہ ہو رہا ہے کہ جب تک انسانی تجربہ اور مشاہدہ میں کوئی چیز نہیں آتی اس پر ایمان لانا عقل کی توہین ہے حکمتِ جلمزہ

خدا کے عدم پر سب سے بڑی دلیل جو قائم کر سکی ہے وہ یہی ہے۔

خدا کی طرح قیامت اور حشر و نشر کا نظریہ بھی اسی بنا پر ناقابل قبول ہے۔ مرنے کے بعد از سر نو جی اٹھنا اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے عرب کے وحشی بدو کی نگاہ میں جس قدر مستبعد اور حیرت خیز تھا، اس سے کہیں زیادہ محل تعجب وہ آج اس بیسویں صدی میں یورپ کے مہذب ڈاکٹر کی نگاہ میں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جسم کے جو ذرات خاک میں مل کر خاک ہو گئے۔ ہوا کے تیز و تند جھونکوں نے جن اجزا کو مشرق و مغرب میں پھیلا دیا، وہ دوبارہ کیسے مجتمع ہو کر پھر زندہ شکل اختیار کر لیں گے؟ وہ کہتا ہے کہ مارنے اور جلانے والی کسی ہستی کا تخیل محض وہم پرستی کی ایجاد ہے، ورنہ دراصل بے جان اجزائے مادی کو نہ کوئی بیرونی طاقت ترتیب دیتی ہے نہ ان میں جان پیدا کرتی ہے۔ مادہ خود اپنے نظم میں ترقی کر کے جاندار ہیئت میں متشکل ہو جاتا ہے۔ جب یہ نظم درہم برہم ہو جائے گا تو اس کے امتزاج خاص کی طبیعت نے جو قوت حیات اور رازجی پیدا کر رکھی تھی وہ فنا ہو جائیگی اور یہ فنا اس جسم کی فنائے محض ہے۔ کوئی تجربہ یا مشاہدہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کالبد خاکی میں "روح" نام کی کوئی چیز باہر سے آتی ہے اور اس کے نکل جانے کے بعد بھی موجود رہتی ہے۔ اسی طرح کوئی مشاہدہ اس امر کا بھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص مر کر جی اٹھا ہو۔ لہذا یہ حشر و نشر، یہ عذاب و ثواب، یہ سزا و جزا سب کے سب نافہمی اور ضعف عقل کی وسوسہ آفرینیاں ہیں۔ جو چیز ہمارے تجربات اور مشاہدات کے اندر آئے وہی حقیقت ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سراسر افسانہ ہے، وہم ہے، تنگ نظری اور تاریک خیالی ہے، جنون اور عجائب پرستی ہے۔ سلسلۂ کون و فساد کو دیکھ کر ہم یہ تو تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ نظام عالم درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اس امکان سے بھی انکار نہیں کہ کل کوئی کرۂ سماوی زمین سے ٹکرا جائے اور وہ پاش پاش ہو کر اپنی موجودہ ہیئت بدل دے، کیونکہ اس قسم کے حوادث کے آثار کا ہم مشاہدہ کر چکے ہیں۔ لیکن اس فنا کے

بعد کوئی بقا یا اس فساد کے بعد کوئی اور کَون ہوگا، یہ چیز ہمارے محسوسات و مشاہدات کے دائرہ میں نہیں آئی ہے، پھر اسے کیوں مانیں؟

قرآن پھر اُن کی فطرت سے اپیل کرتا ہے، اس صحیفۂ کائنات کی نمایاں حکمتوں کو پڑھ کر سناتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ کیسی روشن خیالی ہے جس کی تاریکیوں میں تم کو ربانی کرشموں سے بھری ہوئی اور تمھاری آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی کائنات کے اندر کوئی نشانِ حیات بعد الموت نظر نہیں آتا؟ تم دیکھ رہے ہو کہ ہر فساد کے بعد ایک ارتقائی صورت کون وجود میں آتی ہے۔ پھر کائنات کی اس متوقع فنا کے بعد کسی اور مکمل تر صورت کے وجود پذیر ہونے میں کونسا استحالہ ہے؟ اگر مردہ زمین بارش کے قطروں سے زندہ کی جاسکتی ہے، اگر بے جان مادہ میں جان ڈالی جاسکتی ہے، تو مردوں کو پھر زندہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ تمھیں مرکر دوبارہ زندہ ہونے پر حیرت ہے، حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ حیرت انگیز تو خود تمھارا عدمِ محض سے وجود میں آنا ہے۔ جب اتنی بڑی حیرت انگیز بات واقع ہو گئی تو اس سے کم درجہ کی بات پر تمھیں کیوں اچنبھا ہوتا ہے؟ تم نے غلط کہا کہ مر کر جی اٹھنے کا کوئی مشاہدہ آج تک نہیں ہوا۔ زندگی سے خالی مادّے میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہوئے تم روز دیکھتے ہو، اور پھر بھی تمھاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو مادّہ ایک مرتبہ آثارِ حیات قبول کر چکا ہے وہ پھر بھی انہیں قبول کرسکتا ہے۔ اور یہ کون سی عقلیت ہے کہ تم ایک طرف تو اپنے ذی عقل، ذی شعور، ذی علم ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہو کہ تمھیں کسی بے عقل، بے شعور، بے علم طاقت نے بنایا ہے جو سالہا سال تک تم سے محنت اور عمل کرانے کے بعد یونہی تمھیں اور تمھاری کاموں کو خاک میں ملادے گی؟ تم اپنی زندگی کے کسی کام کو بے مقصد، بے نتیجہ اور عبث نہیں پاتے اور نہیں سمجھتے، مگر حیف ہے تمھاری عقل پر کہ جس زندگی کا ہر ہر جز بامقصد اور نتیجہ خیز ہے، خود وہ زندگی تمھارے نزدیک عبث ہے، بے نتیجہ ہے اور بے مقصد ہے! تمھاری عقل نے تمھیں خود اپنی نگاہوں میں کس قدر ذلیل اور بے قدر کر دیا کہ تم اپنے آپ کو گھاس پھونس اور کنکر پتھر سمجھ بیٹھے!

یہ سُن کر جواب کیا ملتا ہے؟ یہی کہ نہ ہم نے اس صانع حکیم کو دیکھا جس کا تم حوالہ دیتے ہو، نہ اس مقصد کا ہمیں نشان ملا جس کے لئے تم کہتے ہو کہ اس نے ہمیں بنایا ہے، اور نہ ہم نے کسی مردے کو زندہ ہوتے دیکھا، اس لئے ہم ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں مانتے، کیونکہ ہم صرف انہی حقیقتوں کو مانتے ہیں جو لیبوریٹری میں ناپی تولی اور محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہ ہے جاہلیت کی بے بصری، ایک طرف اپنی حیوانیت کا پُر فخر اعتراف، دوسری طرف حقائق کو بالمشافہ دیکھنے کا مطالبہ! سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

غور کرو خدا اور آخرت کے خلاف دلیل یہ نہیں ہے کہ ان کے عدم وجود پر دلائل کی شہادت موجود ہے، بلکہ دلیل یہ ہے کہ ہمارے حواس نے ان حقائق کو محسوس نہیں کیا۔ کتنا محکم استدلال ہے۔ اگر کل یہ بات تحقیق نہ ہوگئی ہوتی کہ فضائے کائنات میں ہزار ہا اجرام تیر رہے ہیں، ہمارے نظام شمسی کے علاوہ بے شمار نظام شمسی موجود ہیں، زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے، آفتاب کی شعاعیں انرجی اگل رہی ہیں، فضائے بسیط ایک لطیف چیز سے بھری ہوئی ہے جسے ایتھر کہتے ہیں، تو آج "حقیقت پرست" جاہلیت پر یہ فرض عائد ہو جاتا کہ پورے جزم و یقین کے ساتھ ان حقائق کا انکار کر دے۔ کیا غیبی حقائق کے خلاف چودہ سو برس یا چار ہزار برس پیشتر کی جاہلیت نے اس کے علاوہ کوئی اور دلیل پیش کی تھی؟ اس کی آنکھوں پر بھی تو یہی مادی پردہ تھا، اس نے بھی تو اسلامی تصورات کے قبول کرنے میں اسی تنگ دماغی کا ثبوت دیا تھا۔ جاہلیتِ جدیدہ کا غلغلۂ الحاد و انکار فلک شگاف اور آفاق گیر سہی مگر بلحاظِ اصلیت وہ بھی تخمین و تخرص کی انہیں تاریک وادیوں میں بھٹک رہی ہے جو اس کے مورثِ اعلیٰ ترکہ میں چھوڑ گئے ہیں، بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ - اور اگر تم الفاظ کی مرعوبیت سے آزاد ہو کر اصل معنی تک پہنچ کر دیکھو تو نظر آئے گا کہ وہی سرچشمۂ جاہلیت کا سینچا ہوا نفسانی تخم خبیث ایک جگہ شجر الحاد بن کر نمودار ہوتا ہے تو دوسری جگہ شرک کے برگ و بار نکالتا ہے، ایک جاہل اس بنا پر خدا اور آخرت کا انکار

کرتا ہے کہ اس کے نفس کو اباحت (Licentiousness.) کی سرور انگیزیوں سے بلا خوفِ انجام محظوظ ہونے کا موقع ملے، اور دوسرا صفاتِ الوہیت کو پتھر کے مجسموں میں اس لئے تقسیم کر دیتا ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کی بے لاگ سنتِ الٰہیہ سے دوچار نہ ہونا پڑے، رندکار ندبھی رہے اور ان بتوں کی سفارشوں کی بدولت جنت بھی ہاتھ سے نہ جائے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ حیوان دونوں ہوئے، چاہے تم ان کے نام الگ الگ ہی کیوں نہ رکھ لو۔ دونوں نفس کے پرستار، دونوں کی محسوس پرست ذہنیت ادراکِ حقیقت سے عاجز و درماندہ یعنی دونوں کے لئے اسلامی تصورِ الوہیت اور نظریۂ آخرت غیر مانوس، اجنبی، غریب اور قابلِ حیرت و استعجاب۔

جاہلیتِ جدیدہ نے اپنے افکار و نظریات، اپنے علوم و فنون، اپنے اخلاقی تصورات اور اجتماعی اصول، اپنے قوانینِ معاشرت و تمدن، اور اپنی سیاست و معیشت کی پوری بنیاد خدا و آخرت کے انکار پر رکھی ہے، اور یہی نظامِ حیات آج تمام دنیا میں فوجی طاقت، معاشی تسلط اور تعلیم کے زور سے پھیلا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں وہ نظامِ حیات اپنی بنیاد سے لیکر اپنے اجزا تک کیسر غریب ہو کر کیسے نہ رہ جائے جس کی اساس ہی خدا اور آخرت کے عقیدہ پر رکھی گئی ہے؟ جاہلیت جتنی سخت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اس لئے اسلام جتنا غریب آج ہے، اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ دونوں تہذیبوں میں بعد المشرقین ہے۔ اسلامی تہذیب بنی آدم سے گذر کر زمین و آسمان، ثوابت و سیارات، آفتاب و ماہتاب، ابر و باد، شجر و حجر، چرند و پرند یعنی موجوداتِ ہستی کے ایک ایک ذرہ کو مُسلم اور ایک عالمگیر مذہب کا پیرو بتاتی ہے لیکن تہذیبِ نو یا تو سرے سے مذہب کا نام ہی نہیں سننا چاہتی اور اگر کچھ رعایت سے کام لیتی ہے تو اسے عبادت گاہ کی چہار دیواریوں میں محصور کر کے حکم دیتی ہے کہ خبردار اس احاطے سے باہر آواز نہ نکلنے پائے، دنیا کے کسی معاملہ سے تیرا کام نہیں، زندگی کے تمام شعبے تیری مداخلت سے آزاد ہیں، ایک مکمل دستورِ حیات کی حیثیت سے تجھے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا مجاز نہیں، یہ حق محض مدہ

اور نفس کو حاصل ہے۔ تیری حیثیت محض ایک شخصی اعتقاد کی حد تک گوارا کی جاسکتی ہے۔ عملی زندگی یا اجتماعی معاملات سے تجھے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

زبانِ تجدد نے یہ فتویٰ غریب مذہب کو سنا تو دیا اور مادی اغراض کے اشارے پر اس نے "علم و سائنس" کی روشنی میں اپنا ایک نظام حیات بھی بنا لیا۔ لیکن جاہل کوشی کے مہلک نتائج جب سامنے آئے تو اس کی آنکھیں کھلیں اور اسے معلوم ہوا کہ جس چیز کو وہ روشنی سمجھ رہا تھا وہ ایک ہیبتناک تاریکی تھی، اور جس طرف آبِ حیواں سمجھ کر وہ لپکا تھا وہاں سراب کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس تلخ تجربہ نے اسے مذہب کو پھر یاد دلایا اور اس نے ایک ایسے مذہب کی ضرورت محسوس کی جو اپنے اندر ہمہ گیری اور کلیت کی شان رکھتا ہو، اجتماعیت کا رہنما ہو، میدانِ زندگی کے ہر گوشہ میں مشعل کیف ہو، انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے امراض کا چارہ ساز ہو، حریتِ فکر اور روحِ تحقیق کا علمبردار ہو، قوانینِ فطرت سے ہم آہنگ ہو اور دنیوی کامرانیوں اور دینی ارجمندیوں کا نقیب ہو۔ لیکن چونکہ موجودہ مذاہب عالم سے اسے ایک موروثی بغض اور غلط فہمی ہے اس وجہ سے اس کا خیال ہے کہ یہ سارے مذاہب مروجہ ناقص ہیں، اور ان مذکورہ بالا اوصاف کا کوئی حامل نہیں۔ اس نظریہ کی بنا پر اس نے ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کی ٹھانی ہے جس کا نام وہ "دینِ فطرت" رکھتا ہے۔ وادیٔ اضطراب میں وہ یوں سرگرداں پھر رہا ہے مگر جاہلیت کی کیسی کامل ساحری ہے کہ اس کی آنکھوں کو سجھائی نہیں دیتا کہ جس حیاتِ حقیقۃ حیات کے لئے وہ تڑپ رہا ہے وہ صدیوں سے قرآن کے سینے میں محفوظ ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی غرابت اور اجنبیت کا منحوس دور اور کونسا ہو سکتا ہے؟ -

کلیسا سے نکل کر ہندی بت خانوں میں آؤ اور اس کے مہاتماؤں اور شری بتوں کے سامنے مذہب کے اس اسلامی تخیل کی وسعت، عظمت اور ہمہ گیری پیش کر کے ان کی پیشانیوں کو دیکھو کہ حیرت

اور اجنبیت کے شدید احساس سے کس طرح تسکین آلود ہو جاتی ہیں۔ ایک شری یت جو اپنی آمدنی پر سالانہ بیس ہزار روپئے ٹیکس کے ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی پینتیس کروڑ رفاقہ مست ہندوستانی جنتا کے پینتیس کروڑ معدوں کی بھوک پیاس اپنے صرف ایک معدہ میں محسوس کر کے بے تاب ہوئے جا رہے ہیں بعض "مذہبی مجنونوں" کے اس مطالبہ پر کہ مسلمانوں کے تمام اجتماعی مسائل اسلامی نظریات کے مطابق حل ہونے چاہئیں، چین بجبیں ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تو جنتا کی بھوک، بیکاری اور جہالت کو دور کرنا چاہتا ہوں، یہاں ہندو مت اور مسلم مت کا کیا سوال؟ مذہب کو لئے تم مسجدوں اور مندروں میں بیٹھے رہو، اس کا تعلق تو محض انفرادی عقائد اور معاملات تک ہی، اجتماعی مسائل اور عملی میدان میں تم اس سنگ گراں کو لائے اور آزادی کا نازک آبگینہ چور چور ہوا۔ مذہب کے دامن کو اتنا نہ پھیلاؤ کہ وہ خانقاہوں کی خاموش فضا سے نکل کر جیل کی شورشتوں تک پہنچ جائے، وہی اپنے ہاتھ سے روٹی بانٹے، وہی اپنے حکم سے پارٹی بنائے، وہی الیکشن لڑائے اور وہی اسمبلی ہال میں تقریر بھی کرائے۔ یہ عجیب مذہبیت ہے! میں نے تو اجودھیا سے ماسکو تک چھان مارا ہے، کسی روشن دماغ اور وقت شناس کے نزدیک ہی درخورِ اعتنا نہیں پایا۔

شاید تم کہو کہ اس ریمارک میں تو الحاد کی بو آتی ہے۔ الحاد بے چارہ مذہب کو کیا سمجھے۔ ہاں جو مذہب اور خدا کو مانتا ہوگا وہ اسلام کے اس تصور سے کہ مذہب ایک خدائی ضابطۂ زندگی ہے جو ہر شعبۂ حیات پر حاوی ہے، یقیناً بیگانہ نہ ہوگا۔ اچھا چلو کسی ایسے مذہب پرست، خدا رسیدہ کو تلاش کرو جو مہاتما بھی ہو، بھگت بھی ہو، اسے "خدا کی روشنی" بھی ملی ہوئی ہو اور شاید کرشن جی کا اوتار بھی تسلیم کیا جاتا ہو یا کیا جانے والا ہو اور اس سے اس نظریہ کے متعلق یہ سن لو کہ "تمام مذاہب سچے ہیں، مذہب چند عالمگیر صداقتوں کا نام ہے، مجھے اسلام کے نظریہ کے متعلق بڑا الجھان تھا لیکن اب مولانا ..... کی تفسیر سے تسلی ہو گئی کہ وہ بھی ہر انسان کو ایک خاص ضابطہ اور ہمہ گیر قانون کا پابند نہیں بناتا"۔ مفکرین ہند کے وہ روشن ضمیر جن کی "ہر بات ٹھیک ہوتی ہے" اسلام کو جس قدر سمجھتے ہیں اب تم خود فیصلہ کر لو۔

رہ گیا اسلام کا تصور خلافت سو اس کی اخلاقی عظمت اور عقلیت بندگانِ جہل کے احاطۂ تصور میں کیوں کر آئے۔ اسلام تمام بنی نوع انسان کو خدا کی رعایا اور صرف ایک خدا کو حاکم علی الاطلاق مانتا ہے۔ اس کے وضع کردہ قوانین کا نفاذ کرنے والا ہی اس کا نائب اور خلیفہ ہو سکتا ہے جس کا فرض ہو کہ بغیر انسانی رایوں کی آمیزش کے ان قوانین کو نافذ کرے، خدا کی زمین سے شر و فساد کا استیصال کرے اور عدل و خیر کی برکتوں سے دامنِ ارض بھر دے۔ اس کا انتخاب تو چہرہ کا رنگ کر سکتا ہے، نہ نسل کا امتیاز۔ استحقاقِ خلافت نہ قومیت ثابت کر سکتی ہے نہ وطنیت۔ یہ خدا کی ایک مقدس امانت ہو اس کا نشیمن صرف ایک مقدس دل ہی ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ کہیں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ سب کچھ سن کر جاہلیت ایک حقارت آمیز قہقہہ لگاتی اور نگاہِ حیرت سے گھورنے لگتی ہے۔ اس کا ذوقِ روشن خیالی ایسے نامعقول اور دقیانوسی تصور سے چین بجبیں ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے خدائے وطن کی اس تحقیر کو گوارا نہیں کر سکتی۔ پہاڑ کی دیواروں اور پانی کے دھاروں سے تقسیمِ انسانیت کے حقوق سلب کر لینا اس کے نزدیک ظلم ہے۔ کوئی اپنے وقت کا فاروقؓ اور صدیقؓ ہی ہی لیکن اگر اس کے پاس نسل کا پروانہ نہیں، وطنیت کا لیبل نہیں، قومیت کی سند نہیں تو کسی حق کا مستحق نہیں۔ خلافت اور حکومت تو بڑی چیز ہے عام شہری حقوق کا بھی حقدار نہیں۔ جغرافیائی حدود یا نسلی امتیازات، اقوام و اوطان بنانے والے ہیں، اقوام و اوطان مجالس آئین ساز منتخب کرنے والی ہیں، اور یہ مجالس قوانین وضع کرنے والی ہیں۔ ایک قوم اگر دوسری قوم پر حکومت کر بھی سکتی ہو تو اس لئے نہیں کہ محکوم قوم میں عدل کو زندہ کرے گی، قانونِ الٰہی کو نافذ کرے گی، بھٹکی ہوئی انسانیت کو سچائی اور ہدایت کی روشنی دکھائے گی بلکہ اس لئے کہ وہ سفید فام ہے اور دوسری سیاہ رنگ، یا وہ آریہ نسل سے ہے اور دوسری غیر آرین، یا اس کے ہاتھ میں ہٹلری گرز ہے اور دوسری بے دست و پا ہے۔ چنانچہ جاہلیت کے جدید علمبرداروں نے حق و صداقت کے اس فرعونی تخیل کی شہادت اپنے عمل سے بھی پیش کر دی اور قول سے بھی۔ ابھی کل کی بات ہے جب ہندوستانی انگریزوں سے للکار کر کہا کہ دیکھو ہمالیہ اور بحرِ عرب "ہندوستانی"

حرم کی فصیلیں ہیں، ان کی حرمت کا لحاظ کر کے یہاں سے نکل جاؤ، تو برطانی دار القضا سے پہلے ہٹلر نے فتویٰ دیا "ہرگز نہیں، کالے ہندوستانیوں پر سفید فام اقوام کو حکومت کا فطری حق حاصل ہے"، لیکن اس ہنگامۂ سوال و جواب میں اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کے ضابطہ کو ہر ایک نے ناقابلِ اعتنا سمجھا۔ اسی طرح چند سال پیشتر جب امتِ اسلامی کی پراگندہ بھیڑوں کو یورپین بھیڑیوں نے چن چن کر پھاڑنا شروع کیا اور غافل مسلمانوں میں روح خلافت کی ربانی طاقتوں کا دوبارہ احساس پیدا ہوا تو مہذب جاہلیت نے اس کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا اور راستے "پان اسلامزم" کا ہوّا بنا کر امنِ عالم کی برقراری کے لئے دعائیں کرنے لگی۔ حالانکہ وہ اسلامی خلافت کا محض ایک ہلکا سایہ تو تھا مگر جاہلیت اس کے اتنے سے فروغ کو بھی کیوں برداشت کرتی۔ آخر اس نے اس "خطرہ" کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور اسلامی خلافت کا ٹمٹماتا ہوا دیا بھڑک کر بالکل خاموش ہو گیا۔

گو مسلمانوں کی موجودہ عملی سیاست میں اس الٰہی خلافت کے آثار مفقود ہیں اور شاید مدعیانِ اسلام کے دماغوں میں بھی اس کا کوئی نقش تمنا موجود نہیں مگر اس کا مجموعۂ قوانین یعنی قرآن ابھی موجود ہے جو زمانہ کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹک رہا ہے اور اگر بس چلے تو طوفانِ جہل انسانی دماغوں سے مٹانے کے بعد ان نقوشِ ہدایت کو کاغذ کے صفحوں سے بھی دھو ڈالے۔ ابھی اس نادان فرنگی کی اس تقریر کی صدائے بازگشت تمھارے کانوں میں گونج رہی ہو گی جس میں اس نے برطانی پارلیمنٹ کے سامنے قرآن ہاتھ میں لیکر کہا تھا کہ "جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے کبھی امن نہیں قائم ہو سکتا"۔

تمھیں حیرت نہ ہو کہ ایک ایسی کتاب کے بارے میں جو عدل کی میزان ہو، اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کی داعی ہو، وَتَدْعُوْا اِلَی السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی معلم ہو، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی کی معلن ہو، یہ رائے کیونکر قائم کی جا سکتی ہے جو دانش فروشانِ فرنگ نے قائم کی ہے کہ یہاں تو صلاح و فساد کا معیار

ہی اور ہی۔ آنکھ کا اندھا شب و روز کو یکساں تاریک پاتا ہے، لیکن دل کا اندھا صرف دن کو تاریک دیکھنے ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ شبِ تار کی نورانیت کا پرجوش عقیدت مند بھی ہوتا ہے۔ یہ مملکتِ جہل کا اساسی دستور ہے، یہاں عالم الغیب و الشہادہ کا بنایا ہوا قانون موجبِ فساد اور کوتہ نظر و ظاہر بین انسانوں کا وضع کیا ہوا قانون امن و صلح کا ضامن مانا جاتا ہے۔ پھر یہ تخیل کوئی نیا تخیل نہیں ہے۔ دنیا ہمیشہ سے حیرانی بوالعجبیوں کا گہوارہ رہی ہے۔ عرب کے منافقین نے بھی تو کچھ اسی تخیل کے ماتحت ـــ جب انہیں غیر آسمانی قوانین کے نتیجہ اتباع یعنی افساد فی الارض سے روکا گیا ـــ کہا تھا کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ پھر آج یہی بات کو انہیں کے بھائی بندوں سے سن کر ہمیں تعجب کیوں ہو یہ تو قَدْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ کی خارجی تفسیر ہے۔ جو باتیں پہلے دلوں سے نکلی تھیں وہی اب بھی نکل رہی ہیں۔ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ۔ جہالت کا بیج جس زمین میں بویا جائے گا ایک ہی سا پھل لائے گا، اس میں مشرق و مغرب کے بُعد و ادوار کے اختلاف کا کیا سوال۔ وَكَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ کی سنت عامہ کا نفاذ زمانی و مکانی حدود سے آزاد ہے۔

(باقی)

بچوں کیلئے مفید کتابیں

سراپائے رسول اس مختصر کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور آپ کے عادات و خصائل، لباس، معاشرت، اخلاق، ذاتی اطوار اور عام طرز زندگی کے متعلق تمام معلومات جمع کی گئی ہیں اور انکو بہت سہل زبان اور دلکش انداز بیان میں لکھا گیا ہے جیبی تقطیع پر بہت خوبصورت طبع ہوئی ہے قیمت ۴ر

ہمارے نبی کے صحابہ اس کتاب میں صحابہ کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات نہایت سلیس زبان اور دلنشین انداز بیان کے ساتھ درج کئے گئے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ بزرگوں کے اخلاق، دینداری، حسن معاشرت اور نیک معاملات کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ قیمت قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر علاوہ محصول ڈاک۔

مسلمان بیبیاں یہ کتاب ہمارے نبی کے صحابہ کی طرح صحابیات کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان پاک ہستیوں کی زندگی کو مسلمان لڑکیوں کیلئے بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ زبان اس قدر سادہ ہے کہ کمسن بچیاں آسانی سے اسکو سمجھ سکتی ہیں۔ قیمت ۸ر علاوہ محصول ڈاک

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے